Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

* عنبر بلال ** ڈاکٹر شازیہ عنبرین

سلمیٰ اعوان کے اُردو سفر نامے: ماحولیاتی پڑھت

Urdu Travelogue of Salma Awan : Eco Study

ABSTRACT

Travelogue is the name of the historical record of a journey, from the very beginning one gets the idea of the journey. By visiting cities, regions and tribes, one gets to know the geographical conditions of the people, their political, economic and historical traditions. In Urdu literature, travelogue has a great, valuable significance .After Qaam Pakazin, there is a long list of travel writers. Among female travel writers, Salma Awan is the first to be named. Her travelogues highlight the suffering of nature due to climate change. Participation in the suffering of nature, as well as the journey of nature and the struggle against human domination, give Salma Awan's travelogues the dimension that makes environmentalism a fundamental issue.

KEYWORDS

Travelogue, Eco-criticism, Nature, Study, Salma Awan

سفر نامہ اپنے عہد کی تہذیبی تاریخ کا نام ہے۔ اس میں زندگی اور ادب کا ایک اچھا آرٹ چھپا ہوتا ہے۔ سفر سے ہی تسخیر کائنات کا نسخہ ہاتھ آتا ہے۔ ملکوں، شہروں، خطوں اور قصبوں کی سیاحت سے وہاں کی جغرافیائی حالات، لوگوں کے معاشی، سیاسی، تاریخی، اقتصادی اور علمی طور طریقوں سے واقفیت ہوتی ہے، انسان سے انسان قریب تر ہوتا۔

انسان اپنی امنگوں، آرزوؤں اور کشاکشوں کا مطالعہ اپنی تہذیب و ثقافت میں ہی کرتا ہے اور وقت اور حالات کے تحت اپنا نیا لائحہ عمل تیار کرتا ہے اور پھر ایک جہان نو کی تلاش میں قدم آگے بڑھاتا ہے۔ اس لائحہ عمل کے تیار کرنے اور جہانِ نو کی جانب قدم بڑھانے میں اس کی دور اندیشی کے لیے سیر و سیاحت شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

سیاحت کا شوق اور نئی دنیاؤں کی سیر انسانی تہذیب کی ابتدا سے ہی اس کی فطرت کا ایک حصہ رہا ہے۔ سفر نامہ اُردو ادب کی مقبول صنف میں سے ایک ہے۔ انسان کی فطرت میں تجسس اور دنیا کی دریافت کی خواہش سیر و سیاحت کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہے۔ خوبصورت قدرتی مناظر، دریا پہاڑ، جھیلیں، وادیاں، فلک بوس عمارتیں دیکھنے اور قدرت کے رنگوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے گھر سے نکلنا ضروری ہے۔

ماحول انسانی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ہمارا سیارہ کائنات میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے کیونکہ یہ واحد جگہ ہے جہاں اپنی منفرد خصوصیات کے ساتھ انسان اور زندگی پائے جاتے ہیں۔ اگر خلا سے دنیا کا مشاہدہ کیا جائے تو یہ دنیا بہت خوبصورت نظر آتی۔ لاکھوں سال پہلے ایسا نہیں تھا، جب زندگی پہلی بار زمین پر نمودار ہوئی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے جانور اور پودے پیدا ہوئے اور ان کی خوبصورتی میں اضافہ ہوا۔ اس وقت فطرت کی گود میں پیدا ہونے والے انسان انتہائی معصوم اور بالکل بے ضرر تھے۔ فطرت سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ انہیں قدرت کی نعمتوں کا علم تھا اور وہ ان نعمتوں کی حفاظت اور قدر کرتے تھے۔ گھنے جنگلات، اونچی چوٹیاں، سرسبز و شاداب میدان، بہتی ندیاں، بہتی جھرنے، آبشار، ہر قسم کے جانور، نرم آوازوں والے خوبصورت رنگ برنگے پرندے، سرسبز درخت اور رنگ برنگے پھول دن بھر کی جسمانی اور ذہنی تھکاوٹ سے نجات کا بہترین ذریعہ تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت اس وسیع دنیا کو عطیہ کرنے میں زیادہ فیاض رہی ہے۔ پہلے پہل، انسانوں نے مادی اور روحانی دونوں لحاظ سے فطرت کے خزانوں سے بہت فائدہ اٹھایا۔

قدیم زمانے میں انسان کا قدرتی ماحول کے ساتھ دوستانہ رشتہ تھا اور وہ قدرتی توازن کو بگاڑے بغیر اس سے بھرپور لطف اندوز ہوتا تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ انسان کا زاویہ نگاہ بدلنے لگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ اپنے آپ کو ان نعمتوں کا سیاہ و سفید کا مالک سمجھنے لگا اور اس دولت کو بے دریغ خرچ کرنے اور ضائع کرنے لگا۔ جیسے جیسے تہذیب ترقی کرتی گئی، اسی طرح انسان نے ترقی کے نام پہ قدرتی عناصر کو تباہ کیا۔ اس کے بعد جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے اس مسئلے کو تباہ کن موڑ پر پہنچا دیا۔

سائنس دان ان کے لیے ایجادات کرتے ہیں، ماہرین ٹیکنالوجی ان کے لیے بڑی بڑی مشینیں بناتے ہیں اور اس انڈسٹری کے دھویں سے فضا اور کیمیاوی مادوں سے زیر زمین پانی زہر آلود ہو رہا ہے۔ ہم یہ زہر نکلتے ہیں اور انہیں سوچتے کہ ٹشو پیپر لے کر ہم نے اپنے لیے موت خریدی ہے۔ زیر زمین ایٹمی دھماکوں سے زمین تہ و بالا ہوتی ہے،

سمندروں میں ایٹمی دھماکوں سے سمندری دنیا برباد ہوتی ہے لیکن چونکہ ہماری بقا کو فوری خطرہ لاحق نہیں ہے، اس لیے ہم خاموش بیٹھے ہیں اور ان مٹھی بھر انسانوں کو من مانی کی اجازت دے رکھی ہے۔ دنیا میں بے شمار قسم کی مخلوقات ختم ہو چکی ہیں، لاتعداد کو بقا کا خطرہ لاحق ہے اور ہم چپ ہیں۔ انہوں نے پہلی جنگِ عظیم، دوسری جنگِ عظیم اور ۷۹ سے تیسری غیر اعلانیہ جنگِ عظیم شروع کر رکھی ہے اور ہم چپ ہیں کہ ابھی ہم محفوظ ہیں۔ ہم کب سمجھیں گے کہ آج ہم محفوظ ہیں لیکن ہماری بقا کو خطرات لاحق ہو چکے ہیں۔ اگر ہم آج بھی خاموش رہے تو کل ہم نہیں رہیں گے۔

ہم خاموش ہیں لیکن ہمارا ادیب خاموش نہیں ہے۔ دنیا بھر کے ادب میں انسان اور اس کی دنیا کو لاحق خطرات اور مسائل کو مسلسل موضوع بنایا جا رہا ہے۔ ابتدائی ادب میں آج کے مقابل کم ضرر مسائل تھے، سو انہی کا ذکر ہے۔ آج کا ادب دنیا بھر میں دنیا کی بقا کا سوال اٹھا رہا ہے۔ اُردو ادیب بھی دنیا بھر کے ادیبوں کی طرح فطرت پرست اور انسان پرست رہا ہے۔ اگر ہم ابتدائی اُردو ادب کو دیکھیں تو ہمیں اس میں فطرت اور انسان کے حوالے سے اور طرح کے موضوعات ملتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی ہوئی زندگی کے مطابق اُردو ادیبوں کے موضوعات بھی بدلتے رہے ہیں۔

> ''ادب اور ماحول کی ہم رشتگی کے سوال نے جس طرزِ مطالعہ کی بنیاد رکھی اسے ابتدائی طور پر سبز انتقاد، ماحولیاتی شعریات سبز ثقافتی مطالعات کا نام دیا گیا''۔(1)

عورت اور زمین کا تعلق تخلیق کائنات سے ہے عورت بھی دھیرتی کی مانند تخلیق کار ہے وہ بھی دھرتی کی طرح موسمیاتی تبدیلیوں سے متاثر ہوتی ہے اور اس کے تدارک کے لیے جدوجہد کرتی ہے اُردو ادب میں سلمیٰ اعوان نے اپنے سفر ناموں میں ماحولیاتی تبدیلیوں کو اجاگر کیا ہے۔ کئی ناولوں، افسانوی مجموعوں اور سفر ناموں کی خالق سلمیٰ اعوان بھارت کے ایک مضافاتی گاؤں سمی پور میں 1943 میں پیدا ہوئیں۔ سمی پور میں اعوان خاندان آباد تھا۔ سلمیٰ کے والد محمد علی اعوان کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ محمد علی اعوان کو ان کے والدین نے بے حد لاڈ پیار سے پالا تھا۔ اسی وجہ سے وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ سلمیٰ اعوان محمد علی اعوان کی پہلی اولاد ہیں۔ سلمیٰ اعوان کی والدہ ایک شفیق، ملنسار اور مہمان نواز خاتون تھیں۔ تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے سلمیٰ کے والد کو اپنے بچوں کے تعلیمی معاملات سے ذرا دلچسپی نہ تھی۔ والد کے برعکس ان کی والدہ نے ہمیشہ اپنے بچوں کی حوصلہ افزائی کی تاکہ وہ معیاری تعلیم حاصل کر سکیں۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد سلمیٰ اور ان کی والدہ نے پاکستان نقل مکانی کی۔ سلمیٰ اپنے ننھیال والوں کے ہمراہ

پاکستان آگئیں۔ان کے والد کچھ عرصہ بعد پاکستان آئے۔

قیام پاکستان کے بعد سفر نامہ نگاروں کی ایک طویل فہرست سامنے آتی ہے جنہوں نے سفر نامہ لکھ کر اس صنف کے سرمایے میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔مرد سفر نامہ نگاروں کی تعداد اگرچہ زیادہ ہے تاہم خواتین سفر نامہ نگاروں نے بھی کئی معیاری سفر نامے لکھے ہیں۔خواتین سفر نامہ نگاروں میں سلمیٰ اعوان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔1983 کا سال سلمیٰ کے ادبی سفر میں ایک نئے موڑ کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔ان کے قدم گھر سے باہر پاکستان کے دو افتادہ پہاڑی مقامات بلتستان، گلگت، ہنزہ اور چترال کی طرف بڑھے اور انہوں نے ان سرزمینوں سے تہذیب و ثقافت، تاریخ، علم و ادب، زبان اور جغرافیہ کے گوہر آبدار چن کر اپنی نوک قلم سے انہیں سفر نامے کے قالب میں ڈھالا اور قارئین کے سامنے پیش کرنے میں سرخرو ہوئیں۔یوں وہ ادب کی ایک نئی صنف سفر نامہ نگاری میں بطور ایک خاتون سفر نامہ نگار داخل ہوئیں۔

منظر نگاری کا عنصر ادب کی ہر صنف میں اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔منظر نگاری جتنی عمدہ اور بہترین ہو گی اتنا ہی واضح نقشہ پڑھنے والوں کی نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔تحریر پڑھنے والے کو لطف دیتی ہے جو متخیلہ کو کو بیدار کر دے اور ہر منظر کا عکس واضح دکھائی دے۔سلمیٰ نے اپنے سفر ناموں میں منظر نگاری کے ذریعے فطرت کے عناصر اور ماحولیات کو اجاگر کیا ہے۔

دوران سفر وہ جن جن علاقوں سے گزرتی ہیں ان کا عمیق نظری سے مشاہدہ کرتی ہیں۔وہ سرسری جائزے کے بجائے گہرائی میں اتر کر ان علاقوں سے متعلق دلچسپ اور مفید معلومات قارئین تک پہنچاتی ہیں۔ٹیکسلا، ہزارہ، ہری پور، حویلیاں، ایبٹ آباد اور مانسہرہ سے متعلق اہم تفصیلات پڑھنے والوں کے لیے دلچسپی کا باعث بنتی ہیں۔مصنفہ کی رائے کے مطابق یہاں کے لوگ بہادر ہیں، رسم و رواج اور آداب معاشرت میں یک رنگی کے باوجود ان کی بولیاں مختلف ہیں اور یہ آپس میں شادی بیاہ بھی نہیں کرتے۔ہر گھڑی، ہر لحظہ بدلتی دنیا میں زندگی کا سفر جاری و ساری رہتا ہے اور انسان نت نئے تجربات سے روشناس ہوتا ہے۔بالکل اسی طرح ایک سیاح دوران سیاحت طرح طرح کے تجربات سے گزرتا ہے پھر وہ اپنی تخلیق کی بدولت ان تجربات سے لوگوں کو آشنائی عطا کرتا ہے۔وہ زندگی کے مختلف رنگوں اور زاویوں کو سامنے لاتا ہے۔سفر نامے میں سلمیٰ ایک حقیقی سیاح کے طور پر سامنے آتی ہیں۔چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ پاتی۔

میدانی اور پہاڑی علاقوں کی زندگی میں نمایاں فرق موجود ہے۔ قدرتی ماحول حسن فطرت اور صاف پانے کے چشمے جیسے شراب جس فیاضی سے پہاڑی علاقوں میں بہتی ہے اس کا عشر عشیر بھی میدانی علاقے والوں کو دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ شہری زندگی بہترین سہولیات سے مزین پر قدرتی حسن ورعنائی سے محروم اور کسی حد تک مصنوعی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ ایک باغیچے میں موجود تازہ پھلوں کو دیکھ کر سلمیٰ نے بہت خوشی محسوس کی لیکن انہیں اس بات کا قلق بھی ہوا کہ شہروں میں بسنے والوں کو یہ مواقع میسر نہیں۔

چترال کی ایک خاص وجہ شہرت وادی کالاش بھی ہے۔ کالاش قوم کے آغاز کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ کالاش قوم کے جد امجد یونانی تھے جو سکندر اعظم کے ساتھ آئے تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے۔

منظر کشی کسی بھی سفر نامے کا جزو لاینفک سمجھی جاتی ہے۔ ہر اچھا سفر نامہ نگار اس پہلو پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ سلمیٰ کی تحریر میں یہ خوبی بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ کہ وہ ان فطرتی مناظر میں ماحولیات کو اجاگر کرتی ہیں۔ وہ جس جگہ خود موجود ہوتی ہیں اپنے ارد گرد کے ماحول کی اتنی عمدہ منظر کشی کرتی ہیں کہ قاری کا تخیل بیدار ہو جاتا ہے۔

کالاشی رومان پسند اور عیش پسند لوگ ہیں۔ کالاشی مرد عورت پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے اُسے لعن طعن نہیں کرتے۔

راجا محل کے باغ کی سیر مصنفہ کے لیے ایک دل خوش کن تجربہ ثابت ہوئی۔ وہ باغ کی منظر کشی میں اپنے قلم سے یوں رنگ بھرتی ہیں جیسے ایک ماہر مصور اپنی تصویر کو مختلف رنگوں سے دلاویز بناتا ہے کہ تصویر ہر ہر زاویے سے مکمل دکھائی دیتی ہے اور دیکھنے والا مبہوت رہ جاتا ہے۔ یہ لاجواب منظر کشی کے ساتھ ساتھ مصنفہ کی نثر کا بھی ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

> ”سیبوں کے بلد سے ٹہنیاں جھکی پڑ رہی تھیں۔ زردے رنگی خوبانیاں سبز پتوں میں یوں چمک رہی تھیں جیسے درختوں کی شاخوں میں سجے پیلے برقی قمقمے۔ آلو بخارا منہ میں جانے کے لیے بے تاب کہیں دور پہاڑوں کے سینے سے آتا آوریت نالہ جس کا جھاگ اڑاتا پانی دودھ کی نہر کی من و عن تصویر پیش کرتا تھا۔ تازہ دم گلاب کے پھولوں کی قطاریں جیسے میری آنکھوں میں ٹھنڈک بن کر اترتی جا رہی تھی۔“(2)

تہوار کسی بھی علاقے کی پہچان ہوتے ہیں۔یہ سفر نامہ علاقائی ثقافت کے رنگوں سے مالا مال ہے۔دلکش اور دلفریب تہواروں کی تفصیلات سے قاری کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔۱۴ اگست سے ۲۹ ستمبر تک کالا شی قوم پر رقص کا قانون لاگو رہتا ہے۔اس قانون کے تحت کوئی بھی فرد پھل نہیں توڑ سکتا۔قانون شکنی کی صورت میں جرمانہ ہوتا ہے۔۱۵ اگست کو مالوش (قربانی کا دیوتا) کے حضور پیش ہو کر تمام کالا شی پھلوں کی حفاظت کا عہد کرتے ہیں۔ اس قانون کا مقصد کالا شی قوم کو ضبط نفس سکھانا ہے۔بزکشی کی رسم کی ادائیگی پر یہ قانون اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔

سلمیٰ نے چترال کی وادیوں کے طول و عرض پر پھیلے کینوس پر موجود ایک ایک منظر کو جزئیات سمیت چابکدستی سے سمیٹ کر ایک مکمل اور دلکش تصویر کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔اس تصویر میں زندگی اپنی پوری تابناکی، شوخی، مسرت اور فطرت کی عکاسی، دکھ، درد، وصال، ہجر، بے اعتنائی، تپاک، خلوص اور وفا کے رنگوں میں ڈھل کر جلوہ گر ہوتی ہے۔

> ”دنیا سے پرے مشینوں سے دور منجمد برفوں میں بیافو گلیشئر پر اس کوری کنواری چاندنی نے میرے قدم بھی منجمد کر دیے۔بھرپور سکوت آور ماحول میں تلدوں کا ایک سیلاب تھا جن میں سے چھن چھن کر چاندنی کا نور پھیل رہا تھا۔چاندنی کی لطیف شعاعیں چوٹیوں پر پڑتیں تو ان کی ہیبت چاندنی کی نرماہٹ سے پگھل پگھل جاتیں۔وہ اپنا کروفر بصد شوق اس نور کے قدموں میں ڈھیر کر دیتیں“۔(3)

کائناتی حسن و خوبصورتی ایک عام انسان کے قدموں کو بھی تھم جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک سفر نامہ نگار جو دل اور دماغ کی تمام کیفیات کے ساتھ احساسات و خیالات کی کھڑکی کھولے عازم سفر ہو وہ اس حسن فسوں خیز سے نگاہیں چرا سکے۔یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی آنکھ نظاروں کی دید سے انکاری ہو جائے۔وہ پل پل گزرتے مناظر اور گرد و پیش کے ادراک سے غافل رہے۔

سلمیٰ اعوان ایک ایسی سفر نامہ نگار ہیں جن کے عینی مشاہدات میں زندگی کی ہمہ ہمی کا احساس بولتا ہے۔وہ جب گرد و پیش کی منظر کشی کرتی ہیں تو ان کا لکھا ہوا ایک ایک لفظ قاری کی محسوساتی سطح کو چھوتا ہے۔قاری وہی دیکھنے لگتا ہے جو سلمیٰ اسے دکھانا چاہتی ہیں۔جزئیات کے لبادے میں لپٹے ان کے مشاہدات قاری کو کچھ لمحوں کے لیے اس کے حقیقی ماحول سے جدا کر دیتے ہیں۔مشاہدے میں گہرائی کا عنصر اور تحریر میں جزئیات نگاری کو خوبی دونوں مل کر ان

کے بیانیہ کو جاندار اور پر اثر بنا دیتے ہیں۔

سفر نامے میں سلمیٰ نے راستوں کی تفصیلات کو خوبصورتی سے سمیٹا ہے۔ انہوں نے اپنی نگاہوں سے خوردبین کا کام لیا ہے۔ جو دیکھتی ہیں نہایت روانی سے بیان کرتی چلی جاتی ہیں۔ان کی جزئیات نگاری ان کی تحریر کے حسن کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی تفصیلات بھی قاری تک پہنچاتی ہیں۔ان کے اس سفر نامے میں قاری کو ساکن اور متحرک مناظر کی تفصیل، بازاروں کی چہل چہل اور رونق کا احوال، گلیوں، محلوں کے مشاہدات، سبھی کچھ پڑھنے کو ملتا ہے۔راستوں کے حسن اور ویرانیوں کا بیان بھی سفر نامے میں موجود ہے۔بچے، بوڑھے، مرد و زن بھی سفر نامے کے کینوس میں دکھائی دیتے ہیں۔ قاری مصنفہ کے ہمراہ گلیوں، محلوں، محلوں، شاہروں، راستوں، صحراوں اور پانیوں سے گزرتا چلا جاتا ہے اور وہاں زندگی کا حقیقی عکس دیکھتا ہے۔ سلمیٰ وہاں کی زندگی کا عکس اتنی مہلت سے دکھاتی ہیں کہ قاری کی تخیلاتی حس بیدار ہو جاتی ہے۔سفر نامے میں قدیم قاہرہ کی پیش کردہ جھلکیوں سے مصنفہ کی مشاہداتی قوت کی گہرائی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے نیز ان کی جزئیات نگاری تحریر کے تاثر کو ابھارتی ہے۔دوبئی سے ماسکو تک کے سفر میں سلمیٰ کے ساتھ والی نشست پر جو روسی خاتون براجمان تھی اس کی حرکات و سکنات سے وہ خاصی جز بز ہوتی ہیں۔روسی خاتون سے سلمیٰ کی دوستی نہیں ہو پائی تاہم اسی پرواز میں موجود ایک نوجوان انجینئر منصور سے بات چیت مصنفہ کے لیے نہایت مفید رہتی ہے۔کریمن کے فضائی نظارے کی جھلک ہمیں یوں دکھاتی ہیں:

> ”سرسبز مخملیں بلند قطعے پر سرخ دیواروں کی ایک ٹیڑھی میڑھی تکون میں جیسے کسی نے یہاں وہاں سنہرے چنبیلی رنگے موتیوں کی ڈھیریاں رکھ دی ہوں۔ جہاز ڈولتا، چکر کاٹتا اور نیچے ہوا تو سنہرے گنبدوں اور سرخ و سبز زردئی رنگوں کی عمارتیں ان الیبلی شہزادیوں کی طرح نظر آئیں جو کسی سرخ جناتی دیو کی قید میں ہوں۔“(4)

لیکسی میں سفر کرتے ہوئے ارد گرد کے مناظر کا اور ماحولیاتی عناصر کا بغور مشاہدہ کرنا جس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> باہر آسمان کس قدر نیلا کچور تھا۔دھوپ کیسی سہانی تھی۔ہواؤں میں خنکی تھی۔داہنے ہاتھ عمارتوں کا جنگل تھا۔ بائیں ہاتھ ہریالی کا جنگل تھا۔پر منظروں کا سارا حسن افسردگی اور پریشانی میں ڈوب گیا تھا“۔(5)

حسین وادیاں، بل کھاتے سڑکیں، لہلہاتے کھیت، گنگناتے چشمے، دریا، بلند و بالا پہاڑ، صاف شفاف آسمان، پرندوں کی چہچہاہٹ، بدش کی جلترنگ، موسموں کا تغیر اور انسانی حسن سب باہم مل کر سفر نگار کے جمالیات ذوق کی تشفی ایک باعث بنتے ہیں۔ قدرتی حسن کے ساتھ ساتھ نسائی حسن بھی اپنے اندر ایک کاس طرح کی کشش رکھتا ہے۔ دوران سیاحت نسائی حسن کی حشر سامانیاں بھی سلمیٰ کے زیر مشاہدہ آئیں۔ انہوں نے سری لنکن عورت کے جسمانی خدوخال اور کو بصورتی کو سفر نامے میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

> ”سرکیوں اور پلاسٹک کی چادروں سے بنے شیڈوں کے نیچے آبنوسی رنگوں والے مرد اور عورتوں کا ایک ٹولہ بات بات پر ٹھٹے لگاتا لمبے چورے جال کی ڈوریوں کو کانٹھے میں لگا ہوا تھا۔ موٹی موٹی عورتوں کے گالوں کی ابھری ہڈیوں پر اندرونی صحت مندی کی چمک کا ایک لشکارہ سا تھا جو فی الفور آنکھوں پر گرتا تھا۔ گداز ننگی پنڈلیاں اور سڈول ننگے بازو سامان وحشت نظر تھے“۔(6)

سلمیٰ نگمبو میں جابجا بکھرے قدرتی حسن سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور اپنی عمدہ تصویر کشی کی بدولت قاری کو بھی یہ محسوس کرنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ حسن قدرت اور قدرتی ماحولیات کو بیان کرتے ہوئے ان کی تحریر میں روانی اور بے ساختگی عود کر آتی ہے۔ وہ الفاظ کا چناؤ بہت اہتمام سے کرتی ہیں۔

> ”آسمان نیلگوں نیلاہٹوں کے ساتھ اس درجہ شفاف تھا کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ایک پر ہیبت سے اسرار کے رگوں میں دوڑنے کا احساس ہوتا تھا۔ دھوپ کی کیفیت کسی مٹیار کی نوخیز چیختی چنگھاڑتی جوانی کی طرح تھی۔ یوں اس کے ساتھ ساتھ کبھی فراٹے مارتی، کبھی گدے ڈالتی اور کبھی لہریوں کی صورت ہوئیں بھی کسی نک چڑھی مٹیارن کی طرح جو اپنی حریفوں کو تالیاں بجاتے ہوئے ٹھینگے دکھاتی ہے جیسی تھی تھیں۔ چھاتے ضرور کھولے تھے پر بند کرنا پڑے کہ تیز ہلے کی ایک ہی مار نے ان کے حلیے بگاڑنے کی پوری کوشش کی تھی۔ لاہور جیسے شہر کی مست خرام ہواؤں کے عادی ایسی مار دھاڑ کو کب برداشت کرنے کے موڈ میں تھے“۔(7)

دوران سفر گزرتے مناظر کے بیان میں مصنفہ کی جزئیات نگاری کمال کا رنگ پیدا کرتی ہے۔ اور تحریر کے

تاثر کو جاندار بنا دیتی ہے۔ قاری کی تخیلاتی حس بیداری ہو جاتی ہے اور وہ بھی مصنفہ کے ہمراہ مناظر کی دید کا لطف اٹھاتا ہے۔ مصنفہ کا بیانیہ ایک افسانوی فضا تخلیق کر دیتا ہے۔

سلمیٰ اعوان نے ادبی سفر کا آغاز ناول نگاری سے کیا۔ وہ فکشن رائٹر پہلے بنیں اور بعد میں سفر نامہ نگاری کا آغاز کیا۔ انہوں نے ناول اور افسانے لکھے لہٰذا کہانی کہنے کا گر وہ خوب جانتی ہیں۔ اسی مہارت کی وجہ سے وہ قاری کو سفر نامے میں اپنے ساتھ ساتھ رکھنے میں کامیاب رہتی ہیں۔ یہی جادوئی مہارت انہوں نے اپنے سفر ناموں میں کامیابی سے استعمال میں لائی ہے۔ بحیثیت سفر نامہ نگار قاری کو سفر نامے کی فضا میں ہر لمحہ جوڑے رکھتی ہیں اور یہ کسی بھی سفر نامہ نگار کی تحریر کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ سلمیٰ خوبصورت مناظر اور خوبصورت آئٹم، خوبصورت پیکروں اور حسین اشیاء کا احوال اور نازل نقشہ بیان کرتے ہوئے قاری کو بڑے چاؤ کے ساتھ اپنی پر جوش رفاقت میں رکھتی ہیں۔ عمارتیں ہوں کہ کھچا کھچ بھرے بازار اور شاپنگ سینٹرز، معبد ہوں کہ مساجد، لباس ہوں کہ زیورات، لینڈ سکیپ ہوں کہ کوئی معروف شاہراہ، وہ یکساں مہارت کے ساتھ آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

حقیقت نگاری سلمیٰ کے اسلوب کی ایک واضح پہچان ہے اور اسی خوبی نے ان کے انداز تحریر کو اعتبار بخشا ہے۔ وہ حقائق کے پتھریلے، سنگلاخ اور خوں آشام راستوں پر نہایت مضبوطی سے اپنے قدم دھرتی ہیں۔ وہ جی داری سے حقیقت کے پردے چاک کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں اور قارئین کو بھی برہنہ حقیقتوں سے آشنائی کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ وہ حقائق کی پیش کش میں مصلحت پسندی کا شکار نہیں ہوتیں۔ سلمیٰ کے اسلوب کی ایک خوبی اعتدال، توازن ربط اور روانی بھی ہے۔ کسی بھی تخلیق یا تحریر میں توازن اور اعتدال کی موجودگی اس کے تاثر اور حسن میں اضافہ کرتی ہے اور عدم موجودگی تحریری حسن کو کہنا دیتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ خامی قاری کے لیے عدم دلچسپی کا باعث بنتی ہے۔ اگر مصنف پڑھنے والوں کی توجہ حاصل نہ کر پائے تو اس کی تحریر کا مقصد اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔ کوئی بھی ادیب لکھتے وقت جب اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں اپنی تخلیق میں کجی پیدا کر دیتا ہے۔ اُردو ادب میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ جب ادیبوں نے اپنی تحریروں میں توازن و اعتدال کو نہیں برتا تو ان کی تخلیقات قارئین سے کچھ خاص پذیرائی حاصل نہیں کر سکیں۔ سفر نامے میں اعتدال و توازن، ربط و روانی کے عناصر نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ سلمیٰ ایک ایسی صاحب طرز ادیبہ کے طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں کہ جن کی تحریر توازن، ربط و تسلسل اور روانی کے نگینوں سے مرصع ہوتی ہے۔ ان کی تحریر بے ربطی کا شکار نہیں ہوتی۔ وہ سفر ناموں میں جغرافیائی معلومات

بیان کر رہی ہوں یا تدریج کا ذکر کر رہی ہوں، ادب پر روشنی ڈال رہی ہوں یا سیاست پر ہر صورت اپنے قلم کو دائرہ اعتدال میں رکھتی ہیں۔اسی خوبی کی وجہ سے ان کی تحریر میں دلکشی برقرار رہتی ہے۔شروع سے آخر تک قاری کی دلچسپی کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

سلمیٰ اعوان کے سفر نامے معلومات کا ایک بحر بے کراں ہیں۔یہ معلومات چاہے حال سے متعلقہ ہوں یا ماضی سے، کسی شہر، گاؤں سے متعلقہ ہوں یا کسی ملک سے متعلقہ ہوں، تدریج، جغرافیے، سیاست، معاشرت سے متعلقہ ہوں یا فلسفہ زندگی سے وہ جس پہلو کو بھی پیش کرتی ہیں اس کے حوالے سے دوران سفر ملنے والے کرداروں سے انہیں معلومات حاصل کرنی پڑیں یا کود کھوج لگانی پڑے وہ نہایت خندہ پیشانی اور ہمت سے یہ کام کرتی ہیں۔ وہ ٹھوس معلومات کی فراہمی پر یقین رکھنے والی ادیبہ ہیں اور اس سلسلے میں اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لاتی ہیں۔ وہ اپنے سفر ناموں میں علم کے موتی نہایت سلیقے سے جڑتی ہیں۔وہ سبک خرامی سے قاری تک معلومات پہنچاتی ہیں۔وہ ایک ذہین لکھاری ہیں جو یہ بات بخوبی جانتی ہیں کہ انہوں نے اپنے قارئین پر معلومات کو یکدم انڈیلنا نہیں ہے بلکہ دھیرے دھیرے انہیں اپنے ہم قدم کر کے سلیقے سے معلومات کی دنیا کا مسافر بنانا ہے۔وہ سفر ناموں میں بے شمار معلومات کو نہایت مہارت اور سلیقے سے پیش کرتی ہیں۔انداز تحریر ایسا ہوتا ہے کہ ان کی بات بدمزگی اور عدم دلچسپی کا تاثر پیدا کیے بغیر قاری تک پہنچ جاتی ہے۔سلیقے اور فنی مہارت سے معلومات کی پیش کش نے ان کے سفر ناموں کے ادبی حسن کو بڑھایا ہے۔

شمالی علاقہ جات کے سفر ناموں میں موسمیاتی تبدیلیوں کے سبب ہر سال سرما میں برفانی علاقوں سے ہجرت کرنے والے پرندوں کا گرم خطوں میں رخ اور شکار ہونے پر احتجاج کرتی ہیں۔وہ پرندوں کی کمی اور شکار کو جو بظاہر معمولی واقعہ لگتا ہے لیکن ایک نادیدہ ماحولیاتی بگاڑ کا باعث ہے جس کا انتقام فطرت گاہے گاہے مختلف صورتوں میں لیتی ہے۔ فطرت کے دکھ میں شرکت نیز فطرت کے استحصال اور انسانی غلبہ پسندی کے خلاف احتجاج سلمیٰ اعوان کے سفر ناموں کو وہ جہت عطا کرتا ہے جسے ماحولیات اساس مطالعہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ اورنگ زیب نیازی، اُردو ادب: ماحولیاتی تناظر، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2022ء)، ص 12
2۔ سلمیٰ اعوان، سُندر چترال، (لاہور: الفیصل ناشران، 2019ء)، ص 192
3۔ ایضاً، ص 204
4۔ سلمیٰ اعوان، روس کی ایک جھلک، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2010ء)، ص 103
5۔ سلمیٰ اعوان، اٹلی ہے دیکھنے کی چیز، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2017ء)، ص 121
6۔ سلمیٰ اعوان، سیلون کے ساحل، ہند کے میدان، (لاہور: الفیصل ناشران، 2018ء)، ص 137
7۔ سلمیٰ اعوان، یہ میرا بلتستان، (لاہور: الفیصل ناشران، 2005ء)، ص 97